© rasailojaraid.com

التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

(سعید احمد)

(۴)

ہم نے کہا کہ مؤلف مولانا تھانوی کے ساتھ بھی انصاف کرتے": اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب مؤلف نے ایک خاص نقطۂ نظر کے ماتحت مولانا کے بعض ایسے فقرے نقل کئے ہیں جو یا تو سرے سے مولانا کے ہیں ہی نہیں یا اگر ہیں تو ان کا مطلب ہرگز وہ نہیں ہے جو جناب مؤلف اس سے لیتے ہیں اور اس کی تائید مولانا کے دوسرے ارشادات وملفوظات سے نہیں ہوتی اور جو بلاشبہ مولانا کی نسبت قاری کے دل میں بدظنی پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۳۷۲ پر یہ بتاتے ہوئے کہ مولانا تھانوی کو بھی اپنے مجدد ہونے کا خیال تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ نقل کرتے ہیں کہ "اسی کو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ "اپنے کو اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں"۔ مقصد یہ ہے کہ مولانا تھانوی اپنے آپ کو اکمل سمجھتے تھے۔

غور کیجئے۔ یہ کہنے کو ایک ذرا سا فقرہ ہے لیکن درحقیقت، علاوہ اس بات کے کہ عقلاً و نقلاً کس قدر غلط اور ناقابل تسلیم ہے مولانا تھانوی کی بزرگی پر کتنا بڑا حملہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ فقر و درویشی کے لئے جن اوصاف وکمالات کی ضرورت ہے ان میں ایک تواضع۔ فروتنی اور عاجزی بھی ہے جو عبدیت کے لوازم میں سے ہے اور جیسا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات۔ ملفوظات، ارشادات واشرف السوانح کے بیانات سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے حضرت تھانوی میں اس وصف تواضع وعاجزی کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس طرح کے ارشادات وواقعات کو بیان کیا جائے تو ایک دفتر بن سکتا ہے ہم تبرکاً صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند ملفوظات نقل کرتے ہیں۔

اشرف السوانح کے شروع میں حضرت نے جو چند سطور تحریر فرمائی ہیں ان میں نمبر ۳ کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے البتہ عنوان میں کوئی ایہام مدح یا تزکیہ کا ہو جانا محبت سے بعید نہیں جو باوجود دیکہ دل سے مجھ کو عقلاً بھی پسند نہیں اور جذبات حیا سے طبعاً بھی گوارا نہیں لیکن میں نے ان کی (مؤلف اشرف السوانح حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ) کی دل شکنی کے خیال سے بدلا نہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اپنے عیوب کے استحضار سے معنون کو تو ٹھیک اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں۔

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق — تحسیں کنند و او خجل از پائے زشت خویش

اور عنوان کو بدون احتیاج کسی استحضار کے اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں۔

منش کردہ ام رستم پہلواں — وگرنہ یلے بود در سیستاں

ایک مقام پر فرماتے ہیں

"گو میں اعمال میں تو بہت کوتاہ ہوں لیکن الحمدللہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں۔ ہمیشہ یہی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہیئے فلاں حالت میں یہ تغیر کرنا چاہیئے غرض کسی حالت پر قناعت نہیں اور گو میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا محض فضل پر سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے اوامر کو بجا لائے اور نواھی سے اجتناب رکھے اس لئے مجھ کو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔" (اشرف السوانح حصہ اول ص ۲۶۴)

مؤلف جامع المجددین کے بیان کے مطابق تو حضرت تھانوی اپنے آپ کو اکمل سمجھتے تھے لیکن مولانا اضع سرے سے کمال کی نفی ہی کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کو ان کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں

"یہ آپ کیا کرتے ہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے آپ اس خواب میں کیوں تے ہیں اس میں تو بزرگوں کا ذکر تھا بزرگوں سے ضرور معافی مانگنی چاہیئے میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کمال نہیں پاتا نہ علمی۔ نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانیئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں۔ بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کونسی تعریف کے قابل بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے اس کو دھوکا ہوا ہے حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے اس لئے مجھ کو کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا اور اگر میری کوئی ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس عیب میرے پیش نظر ہو جاتے ہیں　　(اشرف السوانح ج ا ص ۲۶۳)

حضرت مولانا تھانوی کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ جن لوگوں کو اپنے علم یا دولت پر گھمنڈ ہوتا تھا ان کے ساتھ "التکبر مع المتکبرین تواضع" کے مطابق کمال خود داری کے ساتھ ملتے تھے اور یہ خود داری اپنی ذاتی وجاہت کے خیال سے نہیں تھی بلکہ علم اور دین کے وقار کو قایم رکھنے کے جذبہ سے ہوتی تھی بڑے بڑے سرکش اس بارگاہ فقر و درویشی میں آتے تھے اور ان کے کس بل نکل جاتے تھے جب یہ لوگ اپنی شکست مان لیتے تھے اور ان کے پندارِ علم و دولت کا آئینہ پاش پاش ہو جاتا تھا تو پھر مولانا سے زیادہ ان کے لئے کوئی مہربان اور متواضع نہیں ہوتا تھا چنانچہ ایک صاحبِ علم جن کو کسی مرشد کی تلاش تھی مگر ساتھ ہی علم کی رعونت کا خناس دماغ میں بھرا ہوا تھا مولانا ان سے فرماتے ہیں

"میں مسجد میں کھڑے ہو کر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے حضرات میں سے کسی سے بھی آپ جس روز بیعت ہو جائیں گے اور مجھ کو مطلع کر دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اسی وقت سے میرے قلب کے اندر کوئی شائبہ بھی کسی قسم کے تکدر کا آپ کی جانب سے نہ رہے گا۔ پھر میں آپ کو اپنا دوست اور اپنے کو آپ کا خادم سمجھوں گا۔ باقی اپنی غرض کے حصول کا یہاں پر آپ خیال بھی نہ لائیں۔ کیونکہ میں آپ جیسے ذی علم کی دستگیری کا ہرگز اہل نہیں ہوں اس پر آپ کہیں تو میں حلف اٹھا سکتا ہوں۔　　(حسن العزیز ج ا ملفوظ ۹۲)

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا

"میرے اندر علم ہے نہ عمل ہے۔ نہ کوئی کمال ہے لیکن الحمد للہ اپنے خلو کا اعتقاد تو ہے اللہ تعالیٰ بس اسی سے فضل فرمائے گا　　(اشرف السوانح ج ا ص ۲۶۲)

ایک صاحب کو ان کی اصلاحِ حال کے لئے مولانا نے کچھ سخت الفاظ لکھ دیے تھے لیکن ایک مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے مجھے انشاء اللہ نفع کی توقع ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے تحقیر سے نہیں لکھا اور تحقیر سے کیا لکھتا جب کہ میں خود اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ قضا و قدر میں چاروں طرف سے جکڑا ہوا ہوں اور سب راستے بند ہیں کوئی جائے گریز نہیں ع۔ اے حریفان راہ ہا را بست یار۔ نہ اپنے عمل کا اعتبار نہ علم کا نہ عقل کا جو کچھ احباب کا میرے بارہ میں حسن ظن ہے وہ ظاہر ہے لیکن مجھے کبھی اس کے عشر عشیر کا بھی اپنے متعلق گمان نہیں ہوتا۔" (اشرف السوانح ج ۳ ص ۸)

ایک صاحب علم جو رمضان شریف میں مولانا کے معمولات دریافت کرتے ہیں ان کے جواب میں مولانا کس غایت تواضع و انکسار سے فرماتے ہیں "معمولات بزرگوں کے ہوتے ہیں میں تو ایک طالب علم آدمی ہوں بجز اوراق سیاہ کرنے کے میرے معمولات ہی کیا ہوتے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی صاحب معمولات بھی ہو تو اس کے معمولات کی تفتیش اس لئے بھی عبث ہے کہ اتباع امتی کے افعال کا نہیں ہوتا صرف انبیاء علیہم السلام کے افعال کا ہوتا ہے یا جس کے افعال کے اتباع کا سنت میں امر وارد ہوا ہو جیسے خلفاء راشدین یا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (اشرف السوانح ج ۳ ص ۱۴)

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ جنہوں نے اشرف السوانح کی تالیف کی ہے ایک عجیب صاحب حال و قال اور صاحب جذب و مستی بزرگ تھے۔ حضرت تھانوی کے عاشق زار تھے لیکن چونکہ حضرت کی خدمت میں ایک عمر بسر کی تھی اور اس آستانہ کے شوق جبہ سائی میں انھوں نے بیچ بیچ نہایت عظیم الشان قربانیاں بھی کی تھیں اس بناء پر مولانا تھانوی کے اداشناس جتنے وہ تھے شاید کوئی اور دوسرا ہو اور مولانا کو بھی جس قدر آں مرحوم پر اعتماد اور بھروسہ تھا کسی دوسرے پر مشکل سے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اشرف السوانح کے لفظ لفظ سے مولانا کے ساتھ ان کا عشق اور والہانہ گرویدگی ٹپکتی ہے لیکن چونکہ امتداد صحبت و رعد کی تمرین و ریاضت سے قلب کا تزکیہ اور باطن کا تصفیہ ہو چکا تھا اور پھر مولانا خود بھی نگرانی فرماتے تھے اس لئے مولانا کی تھا غایت عشق کے باوجود مؤلف اشرف السوانح کا قدم حزم و احتیاط کے ساتھ اٹھتا ہے جس میں نہ ایک بزرگ کو کسی دوسرے بزرگ سے ہے۔ نہ بزرگوں کا موازنہ و مقابلہ ہے نہ کسی پر طنز و تعریض ہے۔ نہ لہجہ میں خفگی اور جھنجلاہٹ ہے نہ ہمکاروں کے ساتھ تمسخر اور دل لگی ہے۔ نہ معاصرین پر آوازے اور فقرے ہیں اور نہ خود کہیں مولانا تھانوی کی مدح و منقبت میں اس درجہ مبالغہ آرائی ہے کہ اس سے حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہما ایسے جلیل القدر بزرگ جن سے تعلق و ربط رکھ کر مولانا تھانوی کو اس درجہ فخر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دناز تھا کہ ایک موقع پر کس جوش کے ساتھ عربی کا یہ مشہور شعر پڑھتے ہیں۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(اشرف السوانح ج ۳ ص ۲۰۷)

ان کی تو کیا تنقیص[1] ہوتی کسی معمولی شخص کے متعلق بھی کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جسے پڑھ کر اس شخص سے تعلق رکھنے والوں کو دل آزردگی ہو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں

"باوجود کمالات ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار ہونے کے اور بعض خاص کمالات کو تحدث بالنعمۃ کے طور پر اپنے اندر تسلیم کرتے ہوئے بھی حضرت والا اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور عجب و کبر کا نام و نشان تک بھی نہیں۔ جیسا کہ اہل بصیرت پر روز روشن کی طرح واضح ہے وَذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

(اشرف السوانح ج ۲ ص ۲۶۵)

اور یہ صرف حضرت تھانوی کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر بزرگ جس میں جتنی شان عبدیت ہوگی اسی قدر اس میں عاجزی تواضع۔ تذلل اور تخشع کے اوصاف پائے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اشرف السوانح میں اسی مقام پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت گنگوہی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ میرے

---

[1] اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک ختنہ کی تقریب میں حضرت شیخ الہند۔ مولانا سہارنپوری اور مولانا تھانوی کی شرکت کا جو واقعہ ہمارے مؤلف جامع المجددین نے بیان کیا ہے اس میں انھوں نے مولانا تھانوی کی زبان سے حضرت سہارنپوری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہم صاحب فتویٰ ہیں اور وہ صاحب تقویٰ" جناب مؤلف نے اس کو حقیقت پر محمول کر کے اس پر ایک عمارت کھڑی کر دی حالانکہ یہ واقعہ خود مولانا تھانوی نقل کرتے ہیں اور اس میں حضرت سہارنپوری کے مذکورہ بالا قول کے متعلق صاف صاف فرماتے ہیں کہ "کیا تواضع کا جواب ارشاد فرمایا دخوان خلیل، پھر اشرف السوانح جاول میں اس واقعہ پر ایک نوٹ دے کر فرماتے ہیں "اس جواب میں جس قدر تواضع اور اختلافی امر میں شق مقابل کے اختیار کرنے والے کے عمل کی حسن توجیہ مرعی ہے ظاہر ہے اب غور فرمائیے! بات کہاں سے کہاں جا پہنچی! کہاں مولانا تھانوی کا طرز بیان جن میں بزرگوں کا ادب و احترام بالکل وجہہ مرعی ہے اور کہاں جامع المجددین کے مؤلف کا طرز تعبیر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الہند اور مولانا سہارنپوری بزرگ ہونے کے باوجود چونکہ اصلاح و تجدید دین کے لئے اللہ کی طرف سے "مبعوث" نہیں ہوئے تھے اس لئے ان بزرگوں کو ان باتوں کا خیال نہیں رہتا تھا اور اس کے برخلاف چونکہ مولانا تھانوی مجدد

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر کوئی کمال نہیں ایک مرتبہ اسی مقولہ کو نقل کر کے کسی شخص نے مولانا تھانوی سے پوچھا کہ اگر حضرت گنگوہی کی یہ قسم سچی ہے تو آپ کے کمالات کی نفی ہوئی جاتی ہے اور اگر سچی نہیں تو مولانا (حضرت گنگوہی) نے خلاف واقعہ قسم کھائی! اس کا کیا حل ہے؟ مولانا تھانوی نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی جو نفی فرما رہے ہیں وہ کمالات متوقعہ کی ہے اور ہم مولانا میں کمالات کا جو اعتقاد رکھتے ہیں تو وہ کمالات واقعہ ہیں اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں

یہ تو خیر وہ توجیہ تھی جو مولانا تھانوی نے حضرت گنگوہی کی قسم نفی کمال کی نسبت بیان فرمائی لیکن اس پر حضرت مجذوب نے جو تبصرہ کیا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہے اور اس سے اندازہ ہوگا کہ ایک بزرگ کے شایانِ شان اپنے لئے ادعاء اکملیت ہے یا اپنے سے کمال کی نفی اور اس کی روشنی میں آپ فیصلہ کر سکیں گے کہ جامع المجددین کے مؤلف نے حضرت مولانا تھانوی کی طرف مذکورۂ بالا جو فقرہ منسوب کیا ہے اور اس سے جو معنیٰ مراد لے کر اپنا مدعائے مذعوم ثابت کرنا چاہا ہے تو ایسا کر کے انھوں نے حضرت مولانا تھانوی کی روحِ پُرفتوح کو خوش کیا ہے یا ناراض؟ اب سنئے حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں اور کس قدر خوب اور بجا فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مبعوث تھے اس لئے ان کو ان باتوں کا بھی اہتمام رہتا تھا!!! اسی قسم کی غلطی ہائے مضامین کی ایک مثال یہ واقعہ بھی ہے کہ جماعت دیوبند کے ایک نامی گرامی بزرگ جو بعض سیاسی مسائل میں اختلاف کے باوجود حضرت تھانوی سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور حضرت تھانوی بھی ان سے بہت بے تکلف تھے اور ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ بزرگ رات کو ناوقت تھانہ بھون پہنچے اور خانقاہ کے دیوان خانہ میں مقیم ہو گئے صبح کو حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی تو مولانا نے برسبیل مزاح فرمایا کہ آپ بغیر استیذان سابق کے دیوان خانہ میں کیسے داخل ہوئے اس پر دونوں میں کچھ دیر علمی اور فقہی چھیڑ چھاڑ رہی اور اس کے بعد بات آئی گئی ہوئی لیکن اسی واقعہ کو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جامع المجددین نے جس رنگ میں پیش کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی کو تو بات بات آداب کا لحاظ رہتا تھا لیکن ان بزرگ کے نزدیک استیذان وغیرہ معمولی باتیں ہیں ان کو نہ اس کا س کا خیال کرتے تھے پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ مولانا تھانوی کے مطالبۂ دلیل اختصاص پر ان بزرگ کے ...رجانے کو "جواب ندارد" سے تعبیر کر کے مؤلف نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ ان بزرگ کی علمی بساط کیا تھی؟ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا! اشرف السوانح اور جامع المجددین میں جو بون بعید ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ ذاتی استعداد و صلاحیت کے علاوہ مرشد کی صحبت میں ایک عرصہ تک رہنے والے مرید میں اور اس میں جس نے صرف چند سال صحبت اٹھائی ہو اور وہ بھی دنیا کو اچھی طرح سمیٹ لینے کے بعد کتنا بڑا فرق ہوتا ہے۔!!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسی کوئی بہت بلند مینار پر چڑھتا چلا جارہا ہو اور اس کی نظر اوپر کو ہو تو وہ انتہائی بلندی پر پہنچ کر بھی سمجھے گا کہ میں نے ابھی کچھ اونچائی بھی طے نہیں کی کیونکہ آسمان کی بلندی تو ابھی اتنی ہی معلوم ہوتی ہے تو گویہ ٹھیک ہے کہ آسمان کی بلندی کے لحاظ سے ابھی اس نے گویا کچھ بھی اونچائی طے نہیں کی۔ لیکن اگر زمین سے دیکھا جائے تو وہ بہت اونچائی پر پہنچا ہوا ہے بقول حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے

آسماں نسبت بعرش آمد فرود لیک بس عالیست پیشِ خاک تود

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اچھا عام اہل زمین سے تو وہ اونچا ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو ان کی بہ نسبت اکمل اور برتر سمجھ سکتا ہے۔ تو خواجہ صاحب نے اس کا بھی جواب دے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک سالکِ راہ معرفت تو ہمیشہ خدا کے ساتھ اپنی نسبت پر دھیان رکھتا اور اسی میں مستغرق رہتا ہے اسے اس کی فرصت ہی کہاں ہوتی ہے کہ وہ اپنے اور خدا کے دوسرے بندوں کے درمیان کمال کی پیمائش کرے چنانچہ خواجہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:۔

"چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ شانہ کی تجلیات لامتناہی ہیں اس لئے سالک عرفاں کے کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے وہ اپنے کو ہنوز روزِ اول کا مصداق اور تہی دست ہی یقین کرتا ہے اور وہ اس یقین میں بالکل سچا ہوتا ہے بفحوائے ما عرفناک حق معرفتک اور بفحوائے ارشاد مولانا رومی:

اے برادر بے نہایت در گہیست ہر کہ بروے میرسی بروے مایست
نیست کس را ز حقیقت آگہی جملہ می میرند با دستِ تہی

(اشرف السوانح ج ۱ ص ۲۶۵)

سطورِ بالا میں حضرت مولانا تھانویؒ کے جو ارشادات اور حضرت مجذوبؒ کے جو افادات نقل کئے گئے ہیں اس کے ملیش نظر اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ مولانا عبدالباری صاحب نے جو فقرہ مولانا تھانوی کی طرف منسوب کیا ہے وہ یا تو مولانا نے بالکل کہا ہی نہیں ہے اور اگر کبھی فرمایا بھی ہے تو اس کا مطلب یقیناً وہ نہیں ہے جو مولانا عبدالباری صاحب مراد لے رہے ہیں اور چونکہ ہم مولانا عبدالباری کے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھوٹ کہنے کا الزام نہیں لگا سکتے۔ اس بنا پر دوسرا احتمال ہی متعین ہو جاتا ہے اس صورت میں ہم پھر کہیں گے اور ہم کیا خود مولانا تھانوی بار بار اپنے ملفوظات میں فرماتے رہے ہیں کہ ہر بزرگ کی ہر بات بجنسہ قابل قبول نہیں ہوتی اگر کوئی بات شریعت یا عقل کے خلاف سنی جائے تو ادب کے ساتھ مرشد سے اس کی توضیح کرانی چاہئے اور اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو سکوت کرنا چاہئے۔ اور بس! نہ یہ کہ اس کو بھی نقل کردے اور مرشد کے کمالات کی ایک دلیل بنا کر اسے لوگوں کے سامنے پیش کرے اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے کہ جو نہ عقلاً درست ہے اور نہ شرعاً۔ معلوم نہیں حضرت مولانا تھانوی نے یہ کب فرمایا؟ کس عالم میں فرمایا؟ کس کی نسبت فرمایا؟ اور اس سے آپ کی مراد کیا تھی؟ ہم کو اس فقرہ کا نہ سیاق و سباق معلوم ہے اور نہ کوئی اور بات اس لئے ہماری تنقید صرف اس مراد پر ہے جو فاضل مؤلف نے اس سے لی ہے فقرہ یہ ہے کہ اپنے کو اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں۔" اس پر غور کرنے کے لئے حسب ذیل تنقیحات ضروری ہیں:۔

(۱) کوئی شخص اکمل تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ کامل ہونا ممکن ہو تو کیا کوئی کامل ہو سکتا ہے؟

(۲) اگر بالفرض کوئی شخص اکمل ہو بھی تو کیا اس کو اپنے تئیں اکمل سمجھنا جائز ہو سکتا ہے؟

(۳) اگر اکمل سمجھنا جائز ہو تو کیا پھر افضل سمجھنا ناجائز ہو سکتا ہے؟

قبل اس کے کہ ہم ان تنقیحات پر گفتگو کریں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کسی شخص کے کامل ہونے میں اور صاحبِ کمال ہونے میں بڑا فرق ہے۔ کامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہمہ جہت اور بہر نوع شائبہ نقص سے مبرا اور منزہ ہے اور صاحب کمال کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص میں کسی قسم کا کوئی کمال پایا جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی دوسرے اعتبارات سے اس میں نقص موجود ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ کمال دو ہیں کمالِ حقیقی اور دوسرا کمالِ اضافی۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم یعنی کمالِ حقیقی صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس کے علاوہ جتنے بھی موجودات ہیں چونکہ ان کی ذات اور قوام ماہیت میں امکان و حدوث کا اور زوال و عدم کا نقص موجود ہے اس بنا پر کمالِ حقیقی سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی اور میں نہیں پایا جا سکتا یہی عقل کا فتویٰ ہے اور اسلام بھی یہی کہتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے پیغمبروں کی نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے جن خیالات کی تردید کی ہے۔ اس کی بنیاد بھی یہی ہے، اسی طرح ہندو فلسفہ میں اوتار ہونے کا جو عقیدہ ہے وہ بھی اسلام کے نزدیک اسی وجہ سے سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے پھر یہ اسلام کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ اسپینوزا (۱) جیسے چند فلسفی جن کے دماغوں پر ہندو فلسفہ اور مسیحیت کے عقیدۂ الوہیت مسیح کا گہرا اثر ہے ان کو چھوڑ کر خود مغرب کے جدید فلاسفہ اس کو مانتے ہیں کہ کوئی انسان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ جس طرح عربی منطق میں سالبہ کلیہ (Universal Negative) کی مثال لا شی من الانسان بحجر مشہور ہے اسی طرح جدید منطق میں اس کی مثال "No man is Perfect" مشہور ہو گئی ہے اب رہا کمالِ اضافی! تو ہاں بے شک وہ پایا جا سکتا ہے اور پایا جاتا بھی ہے اس بناء پر ہم ایک شخص کے متعلق کمال کا یا مجازاً کامل ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی اکمل ہونے کا ادعا پیغمبروں کے سوا کسی اور کے لئے درست نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی شخص کو اکمل کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کے تمام کاملوں سے اور تمام وجوہ کمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ دنیا بھر کے تمام کاملوں کا استقصاء و استقراء ہو سکتا ہے اور نہ ان کے مختلف وجوہِ کمال کا اور ان وجوہ کے باہمی فرقِ مراتب و مدارج کا احاطہ اور علم ہو سکتا ہے اس بناء پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا کامل ہو وہ اپنے آپ کو خود اکمل سمجھے یا کوئی اور شخص اس کی نسبت اس کا دعویٰ کرے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن مجید میں "فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ" فرما کر اشارہ کیا گیا ہے البتہ نبی چونکہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور وحی کے ذریعہ اس کو اپنے مقام و مرتبہ سے آگاہ بھی کر دیا جاتا ہے اسی بناء پر نبی اپنے آپ کو خود بھی کامل سمجھ سکتا ہے اور جو لوگ کہ وحی پر ایمان لاتے ہیں وہ بھی اس کی نسبت اکمل ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

اس تقریر سے تنقیحات مذکورۂ بالا کے متعلق حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں

(۱) ایک شخص کامل (بمعنی کمال اضافی) ہو سکتا ہے،،

(۲) اور اس بناء پر دنیا میں ایک شخص اکمل بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) لیکن چونکہ اکمل ہونے کا وجوہ کا علم انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اس بناء پر اگر کوئی شخص (۱) حقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکمل بھی ہو تب بھی اُس کو اپنے آپ کو اکمل سمجھنا جائز نہ ہوگا۔

(۴) لیکن انبیاء کرام پر چونکہ وحی نازل ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ جو کہ علم و یقین کا سب سے زیادہ موثر اور قوی ذریعہ ہے۔ انبیاء کرام کو اُن کے مرتبہ و مقام سے واقف بھی کر دیا جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اس بنا پر انبیاء اپنے آپ کو اکمل سمجھ سکتے ہیں اور اُن کا ایسا سمجھنا جائز اور برحق بھی ہے

اب رہی آخری تنقیح (یعنی اکمل سمجھنا جائز مگر افضل سمجھنا ناجائز) تو یہ بالکل غیر منطقی بات ہے۔ اکمل خود افعل التفضیل کا صیغہ ہے اس بنا پر اگر کوئی اپنے آپ کو اکمل سمجھیگا تو پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ افضل نہ سمجھے۔ اکمل سمجھنے کا تو مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ افضل سمجھتا ہے جس کے ساتھ حسن ظن۔ سورج کے وجود کے ساتھ روشنی۔ گلاب کے ساتھ رنگ و بو۔ دن کے ساتھ سپیدی اور رات کے ساتھ تاریکی آگ کے ساتھ حرارت اور شعلہ کے ساتھ چمک جس طرح لازم و ملزوم ہیں ٹھیک اسی طرح احساس اکملیت کے ساتھ احساس افضلیت لازم و ملزوم ہیں دونوں میں انفکاک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "انا سید ولد ادم یاکنت نبیا وادم بین الماء والطین" یا اسی طرح کے اور دوسرے ارشادات وہ سب واما بنعمۃ ربک فحدث کے امر ربانی کی تعمیل و تکمیل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رح نے مکتوبات میں ایک مرتبہ مقام پر نبوت و ولایت پر گفتگو کرتے ہوئے ایک بڑی لطیف اور دل نشین بات فرمائی ہے اور وہ یہ کہ نبی چونکہ خلق اللہ کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے اس بنا پر حق کے تعلق سے اُس کا رخ خلق اللہ کی طرف رہتا ہے۔ لیکن ولی چونکہ اپنے احوال میں مشغول رہتا ہے اس لئے اُس کو خلق سے بہت کم تعلق ہوتا ہے اور حق کے تصور ذات و صفات رہتا ہے۔ حضرت مجدد کے اس ارشاد سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آجاتی ہے

...ہدایت کے لئے ہی مبعوث کیا جاتا ہے اس بنا پر اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے

...لاق و اعمال فطرت اور انسانی فضائل و کمالات کے اعتبار سے وہ خود کس اونچے مقام پر کھڑا ہوا ہے اور جن لوگوں کی طرف وہ مبعوث کیا گیا ہے وہ کہاں اور کس پست سطح پر ہیں، بس یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ خدا انبیا کو اُن کے اکمل ہونے کی خبر دیتا ہے اور انبیاء اس اعلام ربانی کے باعث خود بھی اپنے آپ کو اکمل سمجھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اولیاء کرام کا یہ حال نہیں ہوتا وہ تو بقول خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب ہمیشہ تجلیات ربانی میں اس درجہ مشغول رہتا ہے کہ کبھی اُس کو اپنے اور خلق اللہ کے درمیان موازنہ و مقابلہ کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اور اس بنا پر اولیاء میں تذلل تخشع اور تواضع کی صفات کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا تھانوی کے ملفوظات کے جو اقتباسات ہم نے اوپر اوپر دئیے ہیں وہ سب انہیں صفات کے غلبہ کا ہیں

اب غور فرمائیے! کہنے کو تو ایک معمولی سا فقرہ ہے جو مولف جامع المجددین نے حضرت تھانوی کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا ہے۔ لیکن ہم نے اس سلسلہ میں مختصراً جو کچھ اوپر لکھا ہے اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس ایک فقرہ سے اور اس کے اس معنی و مطلب سے جو فاضل مولف نے اس جگہ پر مراد لئے ہیں خود حضرت مولانا تھانوی کے فضائل و کمالات پر کس قدر ناگوار حملہ ہو رہا ہے ایک ایسا بزرگ جو احوال عبدیت میں استغراق اور تجلیات ربانی میں محویت کے باعث قسم کھا کر اپنی ذات سے کمال کی نفی کرتا ہے کیا اس کی نسبت یہ کہنا یا سمجھنا کہ وہ اپنے آپ کو اکمل سمجھتا تھا اس بزرگ پر صریح ظلم نہیں ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کو خدا کے سامنے یہ عذر کرنے کی ضرورت کیا تھی کہ۔

قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي   اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com